جاوید حمید صاحب

46

سلسلہ مطبوعات (۴۶)

عزیمت

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

موت العالِم

موت العالَم

26 شوال المکرّم 1420ء (مطابق 3 فروری 2000ء) کی سہ پہر نہ صرف اس دن کا سورج غروب کی طرف گامزن تھا بلکہ آسمان علم کا ایک درخشاں ستارہ بھی تقریباً نصف صدی راہروان منزل کی راہ ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے کے بعد افق دنیا سے غائب ہو رہا تھا۔ یوں دنیوی فضا تو بوجھل اور سوگوار تھی مگر عالم بالا میں حضرت مولانا محمد بدیع الزمان قدس سرہ کو خوش آمدید کہا جا رہا تھا اور ان کے اعزاز میں محفل سجائی جا رہی تھی۔

حضرت مولانا مرحوم (1349ھ • 1420ھ) علامہ محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ (1398ھ) کے خصوصی تلامذہ ورفقاء میں سے تھے اور ان کی وفات سے ان اعلیٰ علمی روایات کا وہ باب تاریخ کا حصہ بن گیا جس کا آغاز علامہ بنوریؒ نے ایک شاندار دینی ادارہ کے قیام کی صورت میں کیا تھا۔ ان روشن علمی روایات کی تشکیل میں حضرت مولانا مرحوم نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی تھی اور اس کے لئے ان کی شبانہ روز محنت صرف اور صرف اخلاص وللّٰہیت پر مبنی تھی مذکورہ دینی ادارہ (جامعہ علوم اسلامیہ) نے جن اساتذہ کی محنتوں اور کاوشوں سے اپنا قومی اور بین الاقوامی امیج بنایا ان میں حضرت مولانا مرحوم کا ایک وافر حصہ تھا۔

حضرت مولانا مرحوم کا طریقت و سلوک کا تعلق برعظیم کی مایہ ناز تاریخ ساز خانقاہ عالیہ رائے پور کے اولوالعزم شیخ طریقت حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری نور اللہ مرقدہ (1412ھ) سے تھا اور یہ تعلق تاحیات قائم و مستحکم رہا۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تدریس میں تربیت کے عنصر کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ تعلیم کتاب کے ساتھ ساتھ تہذیب نفوس پر بھی توجہ رہتی تھی۔ نہ صرف خود اخلاقی اقدار کے امین تھے بلکہ ان کے ہاں ان پر تربیت کو بھی کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ کیونکہ یہی تربیت معاشرے کو اضطراب و

انتشار سے بچانے میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔ چنانچہ جب سے معاشرے کے رہنما طبقہ میں روحانی و اخلاقی تربیت کا عنصر کمزور ہوا ہے اسی وقت سے معاشرے میں دین کے نام پر ایسے عناصر کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا جو معاشرے میں جنگ و جدل، تشدد و تخریب اور گروہیت و تشت کو پروان چڑھا رہے ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم نے نام و نمود سے کوسوں دور رہ کر بیسیوں بلکہ سینکڑوں افراد کی زندگی کا رخ تبدیل کیا۔ سنجیدگی، وقار و متانت اور حیا ان کی شخصیت کی بنیادی پہچان تھی۔ صبر و تحمل اور بردباری ان کا شعار تھا۔ جاہ پسندی اور زراندوزی کے رویوں سے نہ صرف اجتناب برتا بلکہ ان کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی اور بالخصوص مذہبی طبقہ کیلئے انہیں سم قاتل قرار دیتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ راقم الحروف جب حضرت الامام شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ) کے نظریہ اخلاق کے ضمن میں "سماحت" کے خلق کا مطالعہ کرتا ہے تو اس خلق کی تمام نمائندہ جھلکیاں حضرت مولانا مرحوم کی زندگی میں نظر آتی ہیں۔

دور حاضر کا واقعہ یہ ہے کہ حاملان دین فن خطابت و گفتگو کے ماہر ہیں اور فن تحریر سے بھی شناسا ہیں۔ ان کی مادی حیثیت بھی روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ ان کی زیر نگرانی عمارات کا سلسلہ نہ صرف توسیع پذیر ہے۔ بلکہ اس میں فن زیبائش و آرائش بھی پوری طرح بلکہ شاید ضرورت سے زیادہ ملحوظ ہے۔ ان کے اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک اسفار میں تسلسل اور ترقی جاری ہے۔ ان کی زندگیاں مائل بہ تنعم ہیں ان کی نشست و برخاست میں شان و شوکت کا غلبہ ہے۔ اہل حشمت و ثروت کے ساتھ ان کی گاڑھی چھن رہی ہے۔ لیکن اس خوشگوار اور دیدہ زیب رخ کے ساتھ المناک پہلو یہ بھی ہے کہ اخلاقی و روحانی تربیت سے دامن خالی ہوتے جا رہے ہیں۔ رذائل اخلاق کی حکمرانی میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ بات گروہیت سے تجاوز کر کے نفسی نفسی تک پہنچ رہی ہے۔ دینی ادارے خاندانی کاروبار میں ڈھل رہے ہیں۔ محدود مفادات کے تحفظ کی خاطر فتوی بازی اور اتہام طرازی کی صنعت فروغ پذیر ہے۔ یوں اہل دنیا و اہل دین کے مابین حرص و ہوس کے میدان میں امتیازات مٹتے

بقیہ صفحہ نمبر ۲۳

امام شاہ ولی اللہ کا خاندانی پس منظر

تحریر: پروفیسر محمد سرور مرحوم

شاہ ولی اللہ اپنے بزرگوں کے ذکر میں کہتے ہیں۔ "یہ یقینی بات ہے کہ ہمارے اجداد عظام میں سب سے پیشتر حضرت شیخ شمس الدین مفتی ہندوستان تشریف لائے اور انہوں نے قصبہ رہتک میں سکونت اختیار کی"۔ رہتک دہلی سے کوئی تیس میل دور ہے اور اس زمانے میں یہ بڑا آباد شہر تھا۔ شیخ شمس الدین ایک بزرگ شیر ملک کے بیٹے اور محمد عطا ملک کے پوتے تھے جن کے زیادہ حالات نہیں ملتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ موصوف نے رہتک میں اپنا ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ ان کے پڑپوتے شیخ عبدالملک کے عہد میں قضا و احتساب اور افتاء کے عہدے اس خاندان میں موروثی کر دیئے گئے چنانچہ شیخ عبدالملک کے بعد ان کے صاحبزادے قاضی بدھا اس منصب پر فائز ہوئے۔ انہی قاضی بدھا کی اولاد میں سے شیخ محمود تھے۔ انہوں نے منصب قضا ترک کر کے "اعمال سلطانیہ" اختیار کرلئے۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ "موجودہ حالات میں زندگی بسر کرنے سے سپاہیانہ زندگی اچھی اور انسب واولی ہے"۔ شیخ محمود کے صاحبزادے شیخ احمد تھے جن کی تربیت شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم نے کی جو رہتک میں نہیں بلکہ سونی پت میں رہتے تھے۔ شیخ احمد کے بیٹے شیخ منصور کی شادی بھی اپنے ننہیال میں ہوئی اور اسی طرح ان دونوں خاندانوں کا سلسلہ اکٹھا ہو گیا۔

یہ شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم، جلال الدین اکبر کے دور میں تھے اور بادشاہ ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ آپ نے راجپوتانہ کے قلعہ چتور کی فتح کی پیش گوئی کی تھی چنانچہ "چند ہی روز گزرے تھے کہ چتور کی فتح اسی اسلوب و طریقہ پر بادشاہ کی خدمت میں معروض ہوئی، جیسا کہ جناب شیخ عبدالغنی صاحب نے بیان فرمایا تھا۔ اس پر بادشاہ

بہت خوش ہوا اور اپنی فیاضیانہ ہمت سے بارہ وسیع گاؤں جناب امام ناصر الدین شہید کے مزار کی نذر کر دیئے اور شیخ عبدالغنی کے نام ایک شاہی فرمان جاری ہوا کہ ان قصبات کی سالانہ آمدنی آپ کی تفویض میں ہمیشہ رہے گی"۔ انہی شیخ عبدالغنی صاحب کے متعلق "حیات ولی" میں ایک اور واقعہ منقول ہے۔ "خواجہ محمد ہاشم کشمی شیخ مجدد یعنی حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی قدس سرہ سے ناقل ہے کہ شیخ مجدد فرماتے ہیں ہمارے والد بزرگوار ایک مدت تک جناب شیخ عبدالغنی صاحب کی ملاقات کے جویاں رہے جو شہر سونی پت کے ایک کامل درویش اور مشہور و معروف بزرگ تھے۔ ہمارے والد بزرگوار کو آپ سے نیاز حاصل کرنے اور خدمت میں حاضر ہونے کا اس لحاظ سے اور بھی بے تابانہ شوق تھا کہ انہیں کسی معتبر ذریعہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ شیخ عبدالغنی صاحب اپنے بزرگ و محترم پیر کا ایک خاص راز مضمر رکھتے ہیں"۔

شیخ منصور جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ان کے ہاں شیخ عبدالغنی صاحب کی پوتی سے دو صاحبزادے ہوئے ایک شیخ معظم اور دوسرے شیخ اعظم شیخ معظم کے بیٹے شیخ وجیہہ الدین تھے' جو شیخ عبدالرحیم کے والد بزرگوار ہیں' جن کے ہاں ۱۱۱۴ھ میں حضرت شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے تھے۔ شیخ معظم کے حالات میں صاحب "حیات ولی" لکھتے ہیں۔

"جب شیخ معظم علمی تحصیل سے فارغ ہوئے تو آپ کی طبیعت بے اختیارانہ جوش کے ساتھ سپاہیانہ فنون کی تحصیل اور تحصیل کے ساتھ تکمیل کی طرف دوڑی۔ گو آپ کی طرز معاشرت بالکل درویشانہ اور عالمانہ تھی لیکن آپ کی پرشوق اور تیز نظریں اس لاجواب اور عدیم المثال شجاعت کی طرف بڑی شتابی کے ساتھ اٹھ رہی تھیں' جو زمانہ سابق میں اسلام مادر بانیان اسلام کے حق میں فطرت کی عام بخششیں سمجھی گئی تھیں"

"شیخ معظم کے والد بزرگوار شیخ منصور بھی بہت بڑے شجاع اور دلیر تھے"

شیخ عبدالرحیم (والد شاہ ولی اللہ) نے اپنے دادا شیخ معظم اور پردادا شیخ منصور

کی بہادری کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ اپنے والد شیخ وجیہہ الدین کا ذکر کرتے ہیں فرماتے ہیں۔ میرے واجب الاحترام والد نہایت محتاط اور متورع آدمی ہیں۔ چونکہ آپ کا قالب بالکل سپاہیانہ تھا اور آپ فطرتاً چاق و چست تھے اس لئے شمشیر زنی اور اپنی بے خوف شجاعت کے جوہر ظاہر کرنے کا آپ کو زیادہ شوق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ابتدائی زمانے سے سلطنت مغلیہ کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے اور اپنے کارہائے نمایاں کے صلے میں کوئی بڑا اور معزز فوجی عہدہ رکھتے تھے۔ اس وقت شاہجہان بادشاہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ شیخ عبدالرحیم نے بعض ان معرکوں کا ذکر کیا ہے جن میں شیخ وجیہہ الدین نے اپنی شجاعت و جرات کے جوہر دکھائے تھے۔

عالمگیر کی تخت نشینی پر جب اس میں اور اس کے بھائی شاہ شجاع میں موضوع کھجوہ پر خونریز جنگ ہوئی تھی تو اس میں شیخ وجیہہ الدین اورنگ زیب عالمگیر کی طرف تھے ان کی بہادری کی بدولت جنگ کا ایک اہم مورچہ سر ہوا تھا۔ جس کی تفصیل "حیات ولی" میں یوں ہے۔ لڑائی کے دوسرے دن شاہ شجاع نے دو تین کوہ پیکر مست ہاتھی عالمگیر کے لشکر کی طرف دھکیل دیئے۔ جن کے پیچھے زرہ پوش سپاہی تھے۔ شاہ شجاع کا یہ حملہ بڑا کامیاب رہا اور عالمگیر کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ شیخ وجیہہ الدین نے اپنے مورچے پر کھڑے جو یہ صورتحال دیکھی تو اپنے ساتھیوں کو لے کر ہاتھیوں کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے اس ہاتھی پر حملہ کیا جو سب سے سرکش تھا۔ ہاتھی نے سونڈ بڑھا کر آپ کو اپنی گرفت میں لینا چاہا آپ نے تلوار کا ایک وار کیا' جس سے اس کی سونڈ کٹ گئی اور وہ چنگھاڑتا ہوا پیچھے کی طرف بھاگا اس کا بھاگنا تھا کہ زرہ پوشوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور شاہ شجاع کے لشکر کو شکست ہو گئی۔ عالمگیر نے اس فتح کی خوشی میں ایک شاندار جلسہ کیا اور چونکہ وہ عین معرکہ میں جناب شیخ وجیہہ الدین صاحب کی بہادرانہ کوشش اور وفادارانہ جوش کو اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا اس لئے اس نے آپ کو بہت انعامات دیئے اور خود اپنے ہاتھ سے آپ کی کمر میں تلوار

باندھی۔

شاید شہواجی کا زمانہ تھا' شیخ وجیہہ الدین دکن جا رہے تھے کہ راستے میں راہزنوں سے مڈبھیڑ ہو گئی جس میں آپ شہید ہو گئے۔ شیخ وجیہہ الدین کی شادی شیخ رفیع الدین محمد کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جو ایک مشہور خانوادہ طریقت سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد شیخ قطب العالم اور دادا شیخ عبدالعزیز دہلوی البحر المواج عرف شکر بار تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم "امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" میں لکھتے ہیں"۔ چشتی طریقے میں حضرت شیخ عبدالعزیز دہلوی المتوفی ۹۷۵ھ ایک بہت بڑے عالم' عارف اور متشرع بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں ایک رسالہ "عینیہ" ہے جو موصوف نے شیخ امان پانی پتی کے رسالہ "غیریہ" کے جواب میں لکھا تھا اور اس میں آپ نے وحدت الوجود کے بعض عمیق مسائل کو اپنے کشفی رنگ میں پیش فرمایا ہے۔ حضرت شیخ عبدالعزیز البحر المواج کے والد شیخ حسن بن طاہر متوفی ۹۰۹ھ سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں دہلی آبسے تھے۔(شیخ طاہر ملتان میں پیدا ہوئے۔ ملتان میں آپ کا خاندان بڑا واجب الاحترام تھا۔ تحصیل علم کے لئے آپ آئے اور وہاں سے بہار کا رخ کیا بہار کے قاضی نے اپنی لڑکی آپ کے عقد میں دی۔ آخر میں آپ مع خاندان جونپور آئے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ حسن جو بہت بلند پایہ عالم تھے۔ دہلی آئے' سلطان سکندر آپ کا بڑا معتقد تھا۔ علم سلوک میں آپ کی کتاب "مفتاح الفیض" بڑی مشہور ہے (ملخص از حیات ولی) آپ کے پوتے شیخ رفیع الدین بن قطب العالم خواجہ باقی باللہ کے خواص اصحاب میں سے تھے۔ آپ شیخ وجیہہ الدین کے خسر اور شیخ عبدالرحیم کے نانا تھے..... مشہور ہے کہ جس طرح مغلیہ خاندان میں سلطنت سلسلہ بہ سلسلہ چلتی رہی' اسی طرح علم و عرفان شیخ عبدالعزیز کی اولاد میں شاہ ولی اللہ تک اور شاہ ولی اللہ سے ان کی اولاد تک جاری رہا۔

شیخ عبدالرحیم جنہیں ہم آئندہ شاہ عبدالرحیم لکھیں گے' شیخ وجیہہ الدین کے صاحبزادے اور شیخ رفیع الدین بن قطب العالم کے نواسے تھے۔ ان کی شادی ایک

صاحب کرامات بزرگ حضرت شیخ محمد پہلتی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ شیخ محمد کا بڑا پرانا نامور خاندان تھا۔ ان کے بزرگوں میں سے ایک شیخ احمد تھے جو سلطان سکندر کے دربار میں پہنچے اور چند ہی روز میں اپنی بے نظیر قابلیت سے شاہی دربار میں وہ اعزاز و اعتبار پیدا کر لیا کہ سلطنت کی طرف سے چند قریے آپ کو مدد معاش کے لئے نسلا بعد نسل عنایت ہو گئے اور یہ خاندان دہلی کے نواح پہلت میں آباد ہو گیا۔

شاہ عبدالرحیم سے بڑے ان کے بھائی شاہ ابوالرضا محمد تھے۔ ایک بھائی اور بھی تھے لیکن ان کے حالات نہیں ملتے۔ شاہ عبدالرحیم تقریباً ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۷ برس کی عمر پاکر ۱۱۳۱ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار شیخ وجیہہ الدین سلطنت کے ایک معزز عہدے پر فائز تھے اور ظاہر ہے دولت و ثروت کی فراوانی تھی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ماموں، شیخ عبدالحی ایک نہایت صالح اور خدا ترس بزرگ تھے اور اہل دنیا سے طبعی نفرت رکھتے تھے۔ بدقسمتی سے اپنی اولاد ان کی توقعات کے مطابق نہ نکلی ایک دفعہ انہوں نے مجھے بچپن میں پورے سنن و آداب کے ساتھ وضو کرتے دیکھا تو بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ "میں ہمیشہ ڈرتا تھا کہ ہمارے اسلاف کا سر ہماری اولاد سے منقطع ہو جائے گا لیکن اب مجھے قطعی طور سے معلوم ہوگیا کہ اس سر کا حامل ہمارے خاندان میں موجود ہے گو اپنی نسل میں نہ سہی بہن کی نسل میں موجود ہے"۔

صاحب "حیات ولی" لکھتے ہیں۔ جب آپ کا نواں یا دسواں سال شروع تھا تو شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتے تھے اور معقول کی اکثر کتابیں نکال چکے تھے جس زمانے میں اورنگ زیب اکبر آباد (آگرہ) میں جلوس فرما تھا۔ اپ کے والد بزرگوار شیخ وجیہہ الدین صاحب بھی وہاں موجود تھے اور اس تقریب سے آپ اکبر آباد میں مرزا محمد زاہد ہروی سے تعلیم پاتے رہے۔ ابتدائی رسائل سے شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک تو آپ نے اپنے برادر کلاں شیخ ابوالرضا محمد سے نکالے اور شرح مواقف اور تمام کتب کلامیہ و اصولیہ مرزا زاہد ہروی سے پڑھیں۔ شاہ ولی اللہ اپنے والد کے ذکر میں

فرماتے ہیں۔ "اس نیلگوں آسمان کے نیچے جناب شیخ عبدالرحیم سے زیادہ فن حدیث میں طاق اس عہد میں کوئی نہ تھا..... میں نے ان جیسا ایک شخص بھی نہیں دیکھا جو تمام علوم میں عموماً اور حدیث اور فقہ میں خصوصاً تبحر رکھتا ہو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد آپ جیسے محدث و مفسر، فقیہہ کو ہندوستان کی گود میں پرورش پانا بہت کم نصیب ہوا ہوگا"۔

شاہ عبدالرحیم نے مرزا محمد زاہد ہروی اور خواجہ خرد بن خواجہ باقی اللہ کے علاوہ کئی اور بزرگوں سے بھی استفادہ کیا۔ جن میں خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی خاص طور سے ممتاز ہیں۔ ان کی شہرت اگرچہ زیادہ تر تصوفی تحقیقات میں ہے لیکن حقیقت میں وہ تمام علوم میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور ہندوستان میں مجتہدین فن تسلیم کئے جاتے تھے۔ شاہ صاحب کے ایک اور استاد سید عبداللہ تھے جو اس قدر خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تھے کہ سننے والوں پر محویت طاری ہو جاتی تھی۔ یہ عالم کے ساتھ بڑے عارف بھی تھے۔ شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ جب خلیفہ ابوالقاسم صاحب نے مجھے تکمیل و ارشاد کی اجازت سے سرفراز فرمایا تو ایک دعوت کا انتظام کیا اور اس میں اپنے مریدوں اور جاننے والوں کو مدعو کیا۔ آپ نے فقیر کو طلب فرمایا۔ میرے سر پر دستار باندھی ایک اجازت نامہ لکھ کر دیا اور مجھے طالبان حق کی رہنمائی اور دینی علوم کی اشاعت و درس کی اجازت دی اور یہ بھی فرمایا کہ اب اگر تم مناسب سمجھو تو دہلی میں جاکر رہو اور وہاں کے باشندوں میں دینیات کی اشاعت کرو، شاہ عبدالرحیم صاحب نے چند دن اور اکبر آباد (آگرہ) میں اپنے استاد کے قدموں میں رہنا پسند کیا اور ان کی ہدایت کے مطابق بعض بزرگوں سے ملتے رہے۔

خلیفہ ابوالقاسم کے ارشاد پر شاہ عبدالرحیم نے شاہ عظمت نامی بزرگ کے ہاں حاضری دی، جو سلسلہ چشتیہ کے ایک معمر بزرگ تھے اور آگرہ میں رہتے تھے۔ وہ بیمار تھے، اور پلنگ پر لیٹے لیٹے شاہ صاحب سے باتیں کرتے رہے۔ دوران گفتگو میں جیسے ہی شاہ صاحب نے اپنا خاندانی تعلق شیخ عبدالعزیز شکربار سے ظاہر کیا آپ فوراً

پلنگ سے نیچے اترے اور شاہ صاحب کو گلے سے لگا لیا اور ایک سوال پوچھا۔ اس کے بعد کہا کہ میرے دادا کو شیخ عبدالعزیز شکربار نے کچھ تبرکات دیئے تھے اور فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے اگر کوئی آئے تو اسے تبرکات دے دینا۔ چنانچہ آپ نے شاہ صاحب کے سر پر عمامہ باندھا اور اپنے طریقے کی اجازت دی۔ جب چلنے لگے تو مٹھائی اور نقدی روپے بھی ساتھ کر دیئے۔ شاہ صاحب نے واپس آکر اپنے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کی خدمت میں سب ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے شاہ عبدالرحیم کو یہ بشارت دی۔ "روپیہ تو ظاہر حال کے اطمینان اور فارغ البالی کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ باطنی اطمینان اور اجازت کا اشارہ ہے"۔ شاہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ اس بشارت کے بعد معاشی پراگندگی کا سوال ان کی زندگی میں سرے سے کبھی پیدا نہیں ہوا۔ "انفاس العارفین" اور بعض دوسری کتابوں میں شاہ عبدالرحیم کی جس صاف ستھری زندگی کا پتہ ملتا ہے اس کے پڑھنے سے دل کو راحت ہوتی ہے..... (ملخص از تذکرہ شاہ ولی اللہ مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی)

جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے' شاہ عبدالرحیم کے بزرگوں کا منصب و مشغلہ ابتداء میں تعلیم و تدریس اور قضاء و افتاء کا تھا' البتہ بعد میں انہوں نے فوجی زندگی اختیار کر لی تھی۔ شاہ عبدالرحیم نے پھر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ صاحب "حیات ولی" لکھتے ہیں۔ "شاہ عبدالرحیم نے مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد ڈالی اور اس میں علم حدیث کی تعلیم دینی شروع کی"۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے والد کے زمانے میں فقہا اور مفسرین نے عوام مسلمانوں کی روز مرہ کی زندگی سے قرآنی تعلیمات کو بحیثیت مجموعی خارج کر دیا تھا۔ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم نے ادھر توجہ کی اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے ایک بہت اچھا طریقہ اختیار کیا۔ اس سے پہلے علماء کا یہ دستور تھا کہ پہلے تو وہ قرآن مجید کو محض تلاوت کی خاطر پڑھا دیتے۔ پھر اگر انہیں طالب علموں کو قرآن مجید کے مطلب و معانی کی تعلیم دینا مقصود ہوتی تو جس فن سے خود انہیں دلچسپی ہوتی۔

اس فن کے نقطہ نظر سے قرآن مجید کی تفسیر کی جو کتاب وہ مناسب سمجھتے طالب علموں کو پڑھاتے..... اس کے خلاف شاہ عبدالرحیم نے یہ کیا کہ قرآن کے متن پر زیادہ زور دیا لیکن بجائے اس کے کہ متن قرآن محض تلاوت کی غرض سے پڑھا جاتا یا کسی خاص فن کی تفسیر کے ذریعہ قرآن کے مطالب کو حل کرنے کی کوشش ہوتی۔ آپ یہ کرتے کہ قرآن کے متن کو شروع سے لے کر آخر تک بڑی تحقیق اور بصیرت کے ساتھ پڑھاتے۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے جملہ مطالب اور معانی تک براہ راست طلبہ کی رسائی ہو جائے اور وہ جان لیں کہ قرآن کا مجموعی طور پر کیا پیغام ہے۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ اپنے والد بزرگوار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "آپ کی عادت یہ تھی کہ اپنے اصحاب کے حلقے میں ہر روز قرآن مجید کے دو یا تین رکوع پڑھتے اور اس پر بغایت تدبر کرتے اور ان کے معانی پر غور و خوض فرماتے"۔ ایک اور جگہ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے۔ "خدا تعالیٰ نے مجھ ضعیف پر جو بڑے بڑے الطاف کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجھے چند بار والد بزرگوار سے تدبر معانی، شان نزول کے بیان اور تفاسیر میں مطالب کی تحقیق کے ساتھ قرآن عظیم کو پڑھنے کا موقع ملا۔ اس کی وجہ سے مجھ پر علم و عرفان کا ایک بڑا دروازہ کھل گیا"۔ شاہ عبدالرحیم اپنے درس و تدریس میں "حکمت عملی" پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں۔

"اس وقت حالت یہ تھی کہ عام متکلمین نے ارسطو کی نظری حکمت کو اپنا طمع نظر بنا لیا تھا اور ان کا سارا زور قیاس آرائیوں اور استدلالی بحثوں پر صرف ہوتا تھا۔ وہ عملی زندگی کی ضرورتوں سے بے خبر تھے اور "حکمت عملی" سے سروکار نہ رکھتے تھے۔ لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علم کلام میں دلچسپی لینے والے فقہا اور متکلمین قومی زندگی کی ضروریات میں تدبر اور تفکر سے محروم ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے والد بزرگوار کے مذکورہ بالا رجحان فکری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "حضرت شجاعت، فراست، کفایت، غیرت وغیرہ اخلاق سلیمہ میں درجہ کمال پر تھے۔ نیز دینی اور

مابعد الطبیعاتی علوم میں درک کامل رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ "عقل معاشی" سے بھی جس کے ذریعہ انسان زندگی کی معاشی اور اجتماعی ضرورتوں کو سمجھتا ہے پورے طور پر بہرہ ور تھے۔ آپ اپنی مجلس میں اکثر "حکمت عملی" اور کاروبار زندگی کے معاملات کے آداب کی تعلیم دیا کرتے تھے"۔

درس و تدریس کے ان مشاغل میں انہماک کی وجہ سے شاہ عبدالرحیم ملک و ملت کے عام امور سے بالکل بے تعلق نہیں ہو گئے تھے۔ کتاب سیرت سید احمد شہید کے مقدمہ میں مولانا سید سلمان ندوی مرحوم نے شاہ عبدالرحیم کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کے مکاتیب کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کے کتب خانے میں میری نظر سے گزرا ہے۔ اس میں ان کا خط نظام الملک آصف جاہ اول کے نام ہے۔ جس میں انہوں نے نواب مرحوم کو مرہٹوں سے جہاد کی ترغیب دی ہے اور یوں بھی مولانا مناظر احسن گیلانی کے الفاظ میں "شاہ صاحبؒ کا خاندانی تعلق جس قبیلہ اور نسل سے تھا علم و تصوف کے ساتھ اس خاندان کے لوگ فوجی کاروبار میں یگانہ روزگار تھے۔۔۔ بلکہ شاہ عبدالرحیم سے پہلے تو شاہ صاحب کے خاندان میں علم و تصوف کی محض ثانوی حیثیت تھی اصلی کام اس خانوادہ کا جہاد ہی تھا۔ آپ (شاہ ولی اللہ) کے براہ راست جد امجد یعنی شیخ وجیہہ الدین کے واقعات تو خود شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ) نے اپنی مختلف کتابوں میں درج کئے ہیں۔ جن کو سن کر حیرت ہوتی ہے"۔ اس سے آگے مولانا گیلانی مرحوم فرماتے ہیں۔ "اور کون کہہ سکتا ہے کہ دوسری ہی پشت میں حضرت شاہ صاحب کے گزرنے سے جو وہ مرد غازی مولانا اسماعیل شہید اٹھے اور ایک مدت تک بجائے قلم کے تلوار کو کمر سے لگائے رہے۔ تاایں کہ اس راہ میں بالآخر جان عزیز بھی نذر کی یہ شاہ صاحب کی کسی اندرونی تربیت کا نتیجہ یہ تھا جس کا رواج ان کے خاندان میں چلا آ رہا تھا"۔

عام زندگی میں شاہ عبدالرحیم کا کیا مسلک تھا' مندرجہ ذیل سطور میں اس کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: ایک بار والد بزرگوار نماز ظہر

کے قریب دفعتاً میری طرف متوجہ ہوئے اور برجستہ یہ رباعی پڑھی۔

گر تو راہ حق بخواہی اے پسر
خاطر کس رامر نجاں الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است
ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

یہ رباعی پڑھ کر فرمایا ولی اللہ! یہ رباعی لکھ لو حق تعالیٰ نے دفعتاً میرے دل میں اس مضمون کو بایں غرض القا فرمایا ہے کہ تمہیں وصیت کروں۔ (اس رباعی کا ترجمہ یہ ہے کہ اے بیٹے اگر تم سچے راستے کے طلبگار رہو تو کسی کا دل دکھانے سے بچو' طریقت میں رحمت و ہمدردی سب سے بڑا اصول ہے' یہی بات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی)

شاہ عبدالرحیم صاحب جب احباب کو رخصت کیا کرتے تو الوداع کہتے ہوئے یہ بیت پڑھا کرتے تھے۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

(ترجمہ: دونوں جہانوں کی راحت ان دو حرفوں (اصولوں) کی تفسیر ہے کہ دوستوں کے ساتھ نرم دلی اور دشمنوں کے ساتھ مدارت و رواداری کا سلوک کیا جائے)

نیز فرماتے تھے کہ جو لوگ تم سے قدر و منزلت میں کم درجے پر ہوں' اگر وہ تمہیں سلام کرنے میں پہل کریں تو اسے خدا تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھو اور ان سے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات کرو۔

صد ملک دل بہ نیم نگہ میتواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر میکنند

(ترجمہ: دل کے سینکڑوں ملک آدھی نگاہ (رحمت) سے خریدے جا سکتے ہیں' اچھے لوگ بھی اس معاملہ میں کوتاہی کر جاتے ہیں)

ایک دفعہ شاہ عبدالرحیم کے ایک معتقد نے سوال کیا کہ ابنائے روزگار کے ساتھ کس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔ فرمایا کن فی الناس کاحد من الناس لوگوں میں اس طرح رہو جیسے تم ان میں سے ایک ہو) پھر اس نے دریافت کیا کہ حضرت حق تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے۔ فرمایا رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع' عن ذکر اللہ (وہ ایسے لوگ ہیں کہ نہ تو تجارت اور نہ خرید و فروخت ہی انہیں ذکر اللہ سے غافل کرتی ہے)۔

شاہ عبدالرحیم کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں ان کے بڑے بھائی شاہ ابوالرضا محمد کا بڑا حصہ ہے۔ "حیات ولی" میں لکھا ہے۔ "ابتداء میں شاہ عبدالرحیم کی اتالیقی آپ ہی کے سپرد تھی۔ اگرچہ شاہ عبدالرحیم کی تعلیم پر دیگر ماہرین فن بھی چار سال کی عمر میں مقرر تھے..... لیکن پوری پوری خدمت تربیت شیخ ابوالرضا محمد ہی کے ہاتھ میں تھی....' "شوارق المعرفہ" میں ہے کہ "شیخ ابوالرضا محمد متعدد علوم میں اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتے تھے اور اسے فطرت کی بخشش و عنایت سمجھنا چاہئے کہ آپ کا ذہن و حافظہ اس بلا کا تھا کہ ایک ہی زمانے میں مختلف علوم تحصیل کرتے تھے"۔ ظاہری علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کے فرزند رشید جناب خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کمالات باطنی حاصل کئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے' شاہ عبدالرحیم اور شاہ (شیخ) ابوالرضا محمد کے والد بزرگوار شیخ وجیہہ الدین عالمگیر کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے لیکن ان کے دونوں صاحبزادے شاہی دربار سے بے تعلق رہے اور درس و تدریس ہی کو اپنا مقصد حیات بنایا۔ شیخ ابوالرضا محمد کے متعلق "حیات ولی" میں لکھا ہے۔ اول اول اگرچہ آپ بصوابدید والد بزرگوار اس زمانے کے امرا سے ملتے جلتے تھے اور شاہی دربار سے ایک معزز و ممتاز عہدہ بھی آپ کے لئے نامزد ہو گیا تھا لیکن دفعتاً آپ کی فطری استعداد ظہور پذیر ہوئی اور آپ نے عزلت نشینی' تجرید تام' توکل کلی' ہر حال میں سنت نبوی پر عمل کرنا اختیار کیا اور یک لخت ابنائے دنیا حتی کہ عزیز و اقارب سے بھی

ملنا ترک کر دیا۔

اول اول آپ طلبہ کو ہر قسم کے علوم و فنون کا درس دیتے تھے اور مختلف علوم کے شائقین جوق در جوق حاضر ہوتے تھے لیکن آخر میں بجز تفسیر بیضاوی اور مشکوۃ شریف کے اور کسی علم کا درس دینا پسند نہ کرتے تھے۔ آپ کا دستور تھا کہ نماز جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ہر درجے اور مرتبے کے آدمی جن میں طالب العلم، علماء، فضلاء، صوفیہ، رئیس شہزادے وغیرہ ہوتے تھے۔ سب آ آکر جمع ہو جاتے تھے..... ان کا ایک مشہور قول ہے ہمارے عرفائے زمانہ کو ذاتی تجلی میسر نہیں ہے، ورنہ اپنے، اپنی اولاد اقارب کے حصول اغراض کے لئے سلاطین کے محتاج نہ ہوتے۔

شاہ ابوالرضا محمد کی طرح شاہ عبدالرحیم بھی دربار شاہی سے بے تعلق رہے۔ ان کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ جب وہ طالب علم تھے اور فتاوی عالمگیری کی تدوین ہو رہی تھی تو ان کے ایک دوست نے انہیں اس کام میں شریک ہونے پر آمادہ کیا۔ لیکن شاہ عبدالرحیم صاحب نے انکار کر دیا۔ جب اس انکار کی خبر شاہ صاحب کی بیوہ والدہ کو ہوئی تو وہ برہم ہوئیں اور اصرار کر کے حکما نوکری قبول کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ شاہ صاحب تدوین فتاوی عالمگیری سے متعلق ہو گئے مگر جب یہ خبر ان کے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کو ہوئی تو وہ ناخوش ہوئے اور ترک ملازمت پر زور دیا۔ شاہ صاحب نے والدہ کے حکم کا عذر پیش کیا لیکن آپ کے مرشد برابر مصر رہے۔ آخر شاہ صاحب نے خلیفہ ابوالقاسم صاحب سے عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ نوکری چھوٹ جائے، ورنہ یوں چھوڑوں گا تو والدہ ناراض ہوں گی چنانچہ ترک ملازمت کے لئے دعا کرائی گئی اور وہ قبول ہوئی بعد میں عالمگیر نے زمین دینی چاہی لیکن شاہ صاحب کے الفاظ میں " میں نے قبول نہیں کیا اور شکر ادا کیا (ماخوذ از تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی) شاہ عبدالرحیم کا خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ اس بارے میں شاہ عبدالعزیز کا یہ قول ان کا ملفوظات میں ہے۔ "حکمت ہم درخاندان ما معمول بود۔ چنانچہ جد بزرگوار و عم فقیر دوای کردند والد ماجد بندہ موقوف ساختہ"

صفحہ ۲۳ یعنی حکمت ہمارے خاندان میں معمول کی بات رہی چنانچہ دادا محترم اور چچا صاحب ہمیشہ یہ کام کرتے رہے' بندہ کے والد ماجد نے اسے موقوف کر دیا۔

یہ خاندان عربی النسل تھا۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالرحیم کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے اور والدہ کی جانب سے حضرت امام موسیٰ کاظمؒ تک تحقیقی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس خاندان نے سرزمین عرب کو کیسے چھوڑا لیکن شاہ ولی اللہ نے جو شجرہ نسب بیان کیا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بعد پانچویں پشت میں افراد خاندان کے ناموں میں عجمیت آگئی تھی۔ اس خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جو ہندوستان آئے اور رہتک میں آباد ہوئے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے' شیخ شمس الدین مفتی تھے۔

شاہ عبدالرحیم کی ساٹھ سال کی عمر تک کوئی اولاد نہ تھی ایک دفعہ آپ حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار کی زیارت کو گئے' آپ پر منکشف ہوا کہ آپ کے ہاں اور اولاد ہوگی۔ اس پر شاہ عبدالرحیم نے ایک بزرگ شیخ محمد کی صاحبزادی سے عقد فرمایا۔ جس سے شاہ ولی اللہ اور دو صاحبزادے اور ہوئے شادی کے بعد شاہ عبدالرحیم سترہ اٹھارہ سال تک زندہ رہے۔

(بشکریہ ماہنامہ الرحیم حیدر آباد' ستمبر ۱۹۶۳ء)

اسلام میں روح آزادی

الحریۃ عندالعرب مصنفہ ابراہیم حداد سے تلخیص و ترجمہ

اسلام سے قبل ایک عرب اپنی آزادی و حریت کو زندگی کی سب سے بڑی متاع سمجھتا تھا اور وہ اس سے متمتع ہونے کے لئے ہر نعمت کو چھوڑنے کے لئے تیار رہتا تھا لیکن اس کا یہ جذبہ حریت انفرادی یا زیادہ سے زیادہ قبائلی تھا اور قبیلے سے بھی اس کی وفاداری اسی وقت تک قائم رہتی تھی جب تک وہ اس کی شخصی آزادی میں زیادہ مخل نہ ہوتی تھی۔ اسی لئے ایک قبیلے کے افراد جیسے جیسے بڑھتے' وہ مختلف شاخوں میں تقسیم ہوتے جاتے تھے تاکہ قبیلے کا وجود افراد کی آزادی میں زیادہ مانع نہ ہو سکے اور وہ اپنی من مانی کرتے رہیں۔

عربوں کا یہ جذبہ آزادی حقیقت میں اسلام کے آنے سے پہلے ان کے لئے ایک مصیبت بن گیا تھا اور اس نے فعلا ان کے ہاں انارکی اور نراج کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے کے خلاف برسرپرخاش رہتا بلکہ خود ایک قبیلے میں ایک دادا کی اولاد ایک ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کی وجہ سے عربوں میں اجتماعیت کا فقدان تھا۔ یہاں تک ان کا کوئی قبیلہ یہ بھی گوارا نہ کرتا تھا کہ وہ دوسرے قبیلے کے "الہ" کو پوجے۔ اس لئے ہر قبیلے کا اپنا مخصوص بت ہوتا اور وہ اسی کی عبادت کرتا۔

اسلام نے نہ صرف عربوں کے اس جذبہ حریت کو نظم و ضبط کا پابند بنایا بلکہ انہیں اجتماعیت بھی بخشی چنانچہ جب وہ مسلمان ہو کر جزیرہ عرب سے باہر نکلے ہیں تو جہاں بھی وہ گئے محکوم اقوام اور پسے ہوئے عوام کی آزادی کے علم بردار بنے' اور ان کا فطری جذبہ آزادی دوسروں کی آزادی کا پیغام بر بنا

غرض جب اسلام نے دین کے جھنڈے کے نیچے عرب قبائل کو متحد کیا تو ان کی قدرتی

صلاحیتیں ظاہر ہوئیں اور آزادی کا ان کے اندر جو جوہر تھا وہ ایک اعجوبہ دہر کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔ چنانچہ ایک سو سال سے بھی کم عرصے میں یہی عرب جو جزیرہ عرب کے اندر آپس میں گتھم گتھا ہوتے رہتے تھے۔ ایک عظیم مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے' انہوں نے ایک شاندار تہذیب کی بنیاد رکھی اور جن قوموں پر وہ غالب آئے ان کو انہوں نے حریت' حق اور عدل کا سبق پڑھایا اور ان کے اندر نئی زندگی پیدا کی۔

ظہور اسلام کے وقت ایران اور بازنطینی دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ جو دنیائے قدیم کے ایک بڑے حصے پر قابض تھیں۔ بے شک ان میں سے ہر ایک سلطنت کی اپنی مخصوص تہذیب اور انسانی زندگی' اجتماع اور حریت کے متعلق اپنی قدریں تھیں۔ اب عربوں نے جہاں ان دونوں سلطنتوں کو ختم کیا وہاں ایک کام یہ بھی کیا کہ ان سلطنتوں کے عوام میں آزادی کی روح پھونکی اور ان کے دلوں میں غیرت انسانی کی چنگاری روشن کی' جو ان کے لئے نعم البدل ثابت ہوئی' اس اقتدار اور حکومت کی جس سے کہ وہ عربوں کے ہاتھوں محروم ہو گئے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی فتوحات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان ملکوں میں بڑے بڑے عالم' ادیب' شاعر اور فلسفی پیدا ہوئے۔ چنانچہ جب مامون الرشید نے دوسری زبانوں کے علوم کو عربی میں منتقل کرنے کے لئے بغداد میں دارالترجمہ قائم کیا تو اس کا سربراہ حنین بن اسحاق مقرر ہوا۔ منصور عباسی کا طبیب خصوصی ایک عیسائی جیور جیس بن بختیشوع تھا اور اس کے منجم نوبخت فارسی اور اس کا بیٹا ابو سہیل تھے۔ منصور کے بیٹے مہدی کا منجم ایک لبنانی عیسائی تیوفیل ابن توما تھا۔ اس نے تاریخ پر کتابیں لکھیں اور یونانی شاعر ہومر کا سریانی میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح اور بہت سے غیر عرب اور غیر مسلم فلسفی اور طبیب تھے۔ جن کو خلفائے عباسیہ نے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا اور اسی طرح وہ تہذیب بہرہ مند ہوئی جو اسلامی اور عرب تہذیب کے نام سے مشہور ہے۔ مختصر یہ آزادی و حریت کا وہ جذبہ جو عربوں میں مدتوں سے موجود تھا۔ جب اسے اسلام کی سرپرستی حاصل ہوئی

اور عرب اس سے بہرہ ور ہو کر باہر نکلے اور مشرق و مغرب میں انہوں نے فتوحات کیں تو اس کے طفیل ایک ایسی تہذیب وجود میں آئی جس میں علوم و فنون' ادب و ثقافت اور حکمت و فلسفہ کو خوب فروغ ہوا۔ اب اگر عرب اسلام کی اس نعمت سے سرفراز نہ ہوتے اور ان کے فطری جذبہ آزادی کو اسلام کی رہنمائی نہ ملتی تو نہ ایرانی اور بازنطینی سلطنتیں ختم ہوتیں نہ ان کے عوام اس شکنجے سے نکلتے' جس میں کہ وہ مقید تھے اور نہ وہ تہذیب وجود میں آتی جس کی روشنی کی شعاعیں بعد میں یورپ پہنچیں' اس کا اندھیرا چھٹا اور وہاں نشاۃ ثانیہ کی تحریک شروع ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے افراد کی آزادی کو ایک نظم و ضبط دیا اور ان پر ایسی پابندیاں عائد کیں کہ افراد کی آزادی اور اجتماع کی آزادی میں ہم آہنگی ہو اور دونوں مل کر مفید کام کر سکیں۔ اسی ہم آہنگی کی وجہ سے اسلام کے دور اول میں عربوں کو سربلندی نصیب ہوئی اور وہ ایک مدت مدید تک دوسری قوموں کے رہنما و استاد بنے رہے کہ یہ واقعہ نہیں کہ اسلام اپنے آپ کو دوسروں سے زبردستی نہیں منواتا۔ بلکہ وہ انہیں قائل اور مطمئن کرنا چاہتا ہے کیونکہ زبردستی کرنا آزادی کے نقیض ہے اور دوسرے کو قائل اور مطمئن کرنا مظاہر آزادی میں سے ایک مظہر ہے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ لاأکراہ فی الدین (دین میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں۔ سورۃ بقرہ) ایک اور آیت ہے۔ (تو کہہ دے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق آیا ہے' پس جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جو چاہے اس کا انکار کرے۔ سورۃ الکہف) یہ آیات قطعی طور پر دین میں جبر و اکراہ کی نفی اور آزادی ضمیر کا جو کہ اسلام کی ایک اساس ہے اثبات کرتی ہیں بعد کے زمانے میں بعض مفسرین نے ان آیات کو آیت (جہاں بھی تمہیں مشرکین ملیں انہیں قتل کرو۔ سورۃ توبہ) سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن محققین نے ان مفسرین کی بڑے محکم دلائل سے تردید کی ہے اور دین میں جبر و اکراہ کی نفی کی تائید میں ابن عباسؓ سے ابو داؤد' نسائی' ابن حبان اور ابن جریر نے روایت کی ہے وہ سند کے طور پر پیش کی ہے اور وہ یہ ہے کہ لاأکراہ

فی الدین انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف میں سے ایک شخص کے بارے میں اتری ہے جس کا نام الحصین تھا۔ وہ خود تو مسلمان تھا لیکن اس کے دو بیٹے عیسائی تھے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کیا میں انہیں مجبور نہ کروں۔ وہ عیسائیت سے انکار کرنے کو تیار نہیں ہو رہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ بعض تفسیروں میں آیا ہے کہ اس شخص نے اپنے بیٹوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا اور جب ان میں نزاع ہوئی تو وہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے پاس جھگڑا لے کر آئے۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں دیکھتا رہوں اور میرے جگر گوشے دوزخ میں جائیں تو اس پر یہ آیت اتری سعید بن جبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے ساتھیوں کو اختیار دیا ہے۔ اگر وہ تمہیں اختیار کرتے ہیں تو وہ تم میں سے ہیں۔ اور اگر وہ انہیں اختیار کرتے ہیں تو وہ ان میں سے ہیں۔ نیز نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں مشرکین مکہ مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں کر کے انہیں دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اور مشرکین اپنی ان حرکات سے باز نہیں آتے تھے۔ بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ہم بھی اسلام کے لئے لوگوں کو مجبور کریں۔ چنانچہ یہ آیت لاأکرہ فی الدین اتری۔ اس سے پہلے یہ آیت اتر چکی تھی۔ (اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جتنے بھی ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ پس کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ ایمان لائیں۔ سورۃ یونس) علاوہ ازیں علمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کو بہ جبر و اکراہ ایمان پر مجبور کیا جائے۔ اس کا ایمان باطل اور غیر صحیح ہے اور آیات (اس طریقے سے جواب دو جو زیادہ اچھا ہے) اور (ان سے زیادہ اچھے طریقے سے بحث کرو) اس امر کی تائید کرتی ہیں

خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایسے واقعات ہوئے۔ جو قطعی طور پر بغیر کسی شک و شبہ کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپؐ کے زمانے میں مذہبی آزادی اور

اعمال و معاملات کی آزادی تھی۔ مثلاً کعب الاحبار یہودی مدینہ میں رہتے تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے امور دین میں بحث کیا کرتے تھے لیکن کسی نے انہیں اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا۔ وہ خلافت عثمان بن عفان تک اپنی یہودیت پر قائم رہے۔ اسی طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے مرض الموت کے دوران کا اپنا ایک واقعہ حریت و مساوات کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ آپؐ حالت بیماری میں حضرت عائشہ کے ہاں قیام فرما تھے۔ ایک دن آپ فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا۔ اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑے لگائے ہوں' تو یہ میری پیٹھ ہے' وہ اس کا بدلہ لے لے اور اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہو تو وہ مجھے برا بھلا کہہ لے اور بدلہ لے لے اور اگر میں نے کسی سے کوئی مال لیا ہو تو میرا مال موجود ہے۔ وہ اس سے لے لے اور میری طرف سے کسی کینے کا اسے ڈر نہ ہو کیونکہ یہ میری طبیعت میں داخل نہیں پھر آپؐ منبر سے نیچے اترے نماز ظہر ادا کی اور دوبارہ منبر پر چڑھے اور وہی باتیں دہرائیں۔ اس پر ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا کہ آپؐ کے ذمے میرے تین درہم ہیں۔ آپؐ نے وہ ادا کر دیئے اور فرمایا اس دنیا کی فضیحت آخرت کی فضیحت سے آسان ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے جنگ احد کے شہداء کے لئے دعا کی اور واپس حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔

یہ تھی آزادی و حریت کی وہ روح جو در حقیقت بنیاد تھی اسلام اور اسلام کی دعوت کی اور اوپر کے واقعہ میں رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے خود اپنے عمل سے لوگوں کو بتایا کہ ان سب کے ایک سے حقوق ہیں اور وہ عزت نفس کے معاملے میں سب برابر ہیں اور اس میں بڑے اور چھوٹے کی تمیز نہیں۔ خلفائے راشدین اسی اسوہ حسنہ پر چلے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کا عہد سر زمین مشرق میں آزادی و حریت کا عہد تھا جس سے دوسری قومیں متاثر ہوئیں اور انہوں نے اسے اپنایا اور اس طرح بعد کی

صدیوں میں ایک عظیم تہذیب وجود میں آسکی۔ یہ آزادی مساوات صرف مسلمانوں کے لئے نہیں تھی بلکہ اس عہد میں وہ نصاریٰ جو حجاز شام اور عراق میں آباد تھے وہ بھی اس سے برابر متمتع ہوتے رہے۔ انہی کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ان کے بعد ہم نے عیسی بن مریم کو بھیجا۔ وہ تصدیق کرتے تھے تورات کی' جو اس سے پہلے تھی اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ تصدیق کرتی ہے تورات کی' جو اس سے پہلے تھی اور وہ ہدایت اور نصیحت ہے متقیوں کے لئے۔ انجیل والوں کو چاہئے کہ جو کچھ اللہ نے اس میں اتارا ہے اس کے مطابق فیصلہ دیں اور جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ فاسق ہیں (سورۃ المائدہ) ایک اور آیت ہے۔ (وہ لوگ جو ایمان لائے اور یہودی نصاریٰ اور صابئین ہیں۔ جو ایمان لایا اللہ پر' یوم آخرت پر اور اس نے عمل صالح کئے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کے لئے کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غم کریں۔ سورۃ البقرہ) اور ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے (اہل کتاب سے بحث کرو تو وہ طریقہ اختیار کرو جو زیادہ اچھا ہے۔ سورۃ العنکبوت) قرآن مجید کے یہی وہ ارشادات رسول اللہ ﷺ کا یہی وہ اسوہ اور خلفائے راشدین کا ان کے مطابق عمل تھا۔ جس کی بنا پر مشہور مصنف "برتسون" اپنی کتاب" تاریخ شارلکان" میں لکھتا ہے۔ "یہ صرف مسلمان ہی تھے جو جہاد کو اور دوسرے مذاہب کے ساتھ جو ان سے مغلوب ہوئے رواداری کو باہم جمع کر سکے اور انہوں نے دوسرے مذاہب والوں کو اپنے شعائر دینی بجا لانے میں پوری آزادی دی"۔ ایک اور مورخ میشو نے اپنی کتاب تاریخ حروب صلیبی میں لکھا ہے۔ اسلام نے جہاں ایک طرف جہاد کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ہی وہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے کے ساتھ رواداری کا حکم دیتا ہے چنانچہ اس نے پادریوں' راہبوں اور ان کی خدمت کرنے والوں کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اور خاص طور سے راہبوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے وقف ہیں قتل کرنے سے سختی سے منع کیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بیت المقدس فتح ہوا'

نصاریٰ کو چھوا تک نہیں تھا۔ یہی مصنف میشود جو راہب ہے اپنی ایک اور کتاب "مشرق میں ایک دینی سیاحت" میں لکھتا ہے۔ " اور یہ افسوس کی بات ہے کہ عیسائی قومیں رواداری' تقویٰ' دوسروں کے عقائد کا احترام اور زبردستی دوسرے پر اپنا عقیدہ نہ تھوپنے کا طریقہ مسلمانوں سے لیں"۔

بقیہ

جارہے ہیں۔ جس سے معاشرے میں دین کا حقیقی تشخص اور ان کے حاملین کا مطلوبہ وقار شکوک وشبہات کی فضا میں دھندلاتا جارہا ہے۔ ایسے ماحول میں علماء ربانیین کی رحلت' ماحول کو مزید گھمبیر بنادیتی ہے۔ اور مستقبل کے خدشات مزید گہرے ہو جاتے ہیں۔

ایسے میں حضرت مولانا مرحوم کے تلامذہ و متعلقین' پر یہ ذمہ داری آن پڑتی ہے کہ وہ ان کی روشن روایات کی آبیاری کریں اور ان کے تلمذ و تعلق کا حق ادا کریں۔ کہ اسی طرح چراغ سے چراغ جلتے ہیں۔ اور اندھیرے کو پسپا کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے' ان کے درجات بلند کرے ان کی کوتاہیوں سے صرف نظر کرے ان کے ورثاء کو صبر جمیل کی توفیق اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا عزم عطا کرے۔ آمین۔ (مدیر)

دارالافتاء

تحریر :۔ ابوالاخیار حضرت مولانا احمد شعیب قریشی مدظلہ

(خطیب جامع مسجد کلاں مہتمم دارالعلوم محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان)

ایک اصل جو عندالعلماء مسلم ہے اور حدیث سے ماخوذ ہے حسن ظن میں اجر ہے بغیر پرسش دلیل اور بدظنی میں وزر ہے اور دلیل کی پرسش ہوگی' اس لئے بدظنی سے بچنا نجات کے لئے ضروری ہے۔ تنظیم فکر ولی اللہی کے بارے میں ملزمین کے بیانات بغیر دلیل کے حجتہم داحضہ کا مصداق ہیں خانقاہ رائپور کے ساتھ راقم کا تعلق خاندانی ہے۔ والد صاحب مولانا مفتی محمد صاحب جو بقول صوفی عبدالحمید سواتی بانی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ایک

مجاہد مفتی تھے۔ پاکستان بننے والے رمضان المبارک میں خانقاہ رائپور میں مقیم تھے اور 29 رمضان المبارک کے ختم قرآن مجید کے بعد وطن لوٹنے کی اجازت ملی اس کے بعد والد ماجد نے پشاور کے تبلیغی اجتماع میں بمقام عید گاہ پشاور ہم دونوں بھائی مفتی عبدالقدوس اور میری اور قریشی امیر علی عرف مولوی استغفراللہ کی بیعت کرائی یہ 50ء کے بعد کا واقعہ ہے ان کے بعد غالباً سال بعد بھائی مولانا عبدالسلام صاحب بمقام کلور کوٹ حضرت مرشد عبدالقادر رائے پوری سے بیعت کرائی۔

حضرت رائے پوری سالانہ پاکستان دورہ کرتے تھے اور متوسلین کی پیاس بجھاتے تھے میں اپنے طالب علمی کے زمانے میں آپ کے ورود کی خبر پاکر سراج العلوم سرگودھا سے لاہور دامن شفقت جا پہنچتا ابا جی کی وجہ سے مجھ پر خاص نظر رہتی۔ ایک دن استاد مکرم مفتی محمد شفیع مہتمم سراج العلوم نے احقر سے پوچھا آپ کا شیخ کس سلسلے سے وابستہ ہے تو میں نے عرض کیا کہ ''قادری'' تو جواب فرمایا کہ ایسے شیخ چاروں سلسلوں میں مجاز ہوتے ہیں اور جس جس کی جس سلسلے میں چاہیں تربیت کر سکتے ہیں۔ اور کرتے ہیں تعلیم مکمل کرنے کے بعد میرا اساتذہ کی خدمت میں جانا ہوتا تو بقیۃ السلف حضرت عبدالعزیزؒ کی زیارت ہوتی اور موجود سجادہ نشین (حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری) وقار العلماء مزاج شناس اسلام سے بے تکلف برادرانہ تعلق الحمد اللہ قائم ہے لہٰذا اہل انصاف کو چاہیے کہ خانقاہ رائپور کا تعارف حاصل کرے اور تنظیم فکر ولی اللہی کو اس کے لٹریچر کی روشنی میں سمجھئے بے سروپا پروپیگنڈے کا شکار نہ ہو ہم علی وجہ البصیرہ کہتے ہیں۔ یہ جماعت جمعیۃ العلماء ہند کے عقائد و افکار کی امین ہے۔ فقط

(نوٹ :۔ مذکورہ فتویٰ حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد مہتمم جامعہ مدنیہ پارک ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے استفتاء کے جواب میں دیا گیا)

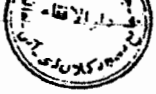

99-8-16

سلسلہ مطبوعات میں ایک اور قدم

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن ایک عرصے سے ان اہل حق کے افکار سے قارئین کو مستفید کرنے کی سعی کا اہتمام کرتی رہی ہے جو امام شاہ ولی اللہ اور ان کے سلسلہ فکر سے وابستہ ہو کر دین حق کو معاشرے کی آواز بنانے کی جدوجہد کرتے رہے۔ چنانچہ اب تک مطبوعات کی ایک معقول تعداد منظر عام پر آ چکی ہے۔ اب اس سلسلہ میں ایک نیا اضافہ کیا جا رہا ہے جس کو "عزیمت" کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے تحت ایک سے زائد مضامین کو یکجا کر دیا جائے گا [illegible] کے علاوہ اہل فکر کی نگارشات کے علاوہ ان کے خطبات [illegible] شامل ہوں۔ اس سلسلے میں [illegible] علمائے کرام و [illegible] عظام کے مختلف مجالس [illegible] شامل کی گئی ہے۔

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کے تحت تاریخ ساز اہل حق کے افکار کی حسب سابق اشاعت کے ساتھ ساتھ "عزیمت" کا مجموعاتی سلسلہ بھی وقتاً فوقتاً قارئین کے سامنے آتا رہے گا۔ امید ہے کہ قارئین اس بات سے اپنی آراء سے آگاہ کر کے رہنمائی و حوصلہ افزائی سے نوازیں گے۔

خط و کتابت کے لیے پتہ

مرکزی شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن [illegible] ۵۶ [illegible] لاہور